تحریر:- حکیم عبدالرحمٰن خلیق

عمروؓ بن العاص

وہ مجرم جس نے کوئی جرم نہیں کیا

جس کی تاریخی عظمت سیاسی اور گروہی تعصب کی نذر ہو گئی

مزید یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ اس روایت نے تخلیق پاکر حضرت علیؓ کی کیا خدمت کی ہے۔ جب کہ روایت کے بموجب حضرتؓ علی کی جانب سے اور خود حضرت علیؓ کی ہی منظوری سے جس شخص کو حکم مقرر کیا گیا ہے۔ اس کی شخصی حیثیت اور منصبی دیانت خود حضرت علیؓ کے نزدیک بھی ذرا برابر قابلِ رشک نہیں ہے۔ بقول ابن خلدون حضرت علیؓ اپنے مقرر کردہ حکم کی نسبت یہ رائے رکھتے ہیں کہ:-

ابو موسیٰؓ ہرگز ثقہ آدمی نہیں ہیں [1]

اور طبری کے بقول حضرت علیؓ نے فرمایا کہ:-

"مجھے ابو موسیٰ پر ہرگز کوئی اعتماد نہیں ہے" [2]

اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے انہیں پھر کسی بھلائی کی امید بھی نہیں رکھنی چاہیے تھی اور اگر ابو موسیٰؓ کسی سازش کا شکار ہو جائیں تو ابو موسیٰؓ کی بجائے قصوروار حضرت علیؓ ٹھہرتے ہیں جنہوں نے جان بوجھ کر اپنے لیے ہلاکت کی راہ پسند فرمائی یا ایسی مجبوری قبول کی۔

تاریخ کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ کو مجبور کیا گیا کہ وہ بہر حال ابو موسیٰؓ کو ہی حکم مقرر کریں اگر یہ بات

---

[1] ابن خلدون جلد اول باب ۲۴

[2] طبری جلد ۳ باب ۱۴

صحیح ہے تو پھر حضرت علیؓ کے اپنے مامورِ مصر قیس بن سعد کی یہ بات کیوں غلط ہوگئی جو اس نے اپنی معزولی پر مصر کی حکومت محمد بن ابی بکر کے سپرد کرتے ہوئے بطور نصیحت انہیں تاکیداً کہی تھی کہ :

"میری جاری کردہ حکمتِ عملی سے ہٹنے سے نقصان ہوگا ۔ افسوس جس شخص نے تجھے حاکم مقرر کر کے یہاں بھیجا ہے اُسے اپنے معاملہ پر خود بھی اختیار نہیں ہے" ۔[1]

پس اگر فی الواقعہ حضرت علیؓ کسی دباؤ کی وجہ سے ہی ابو موسیٰؓ کو حکم ماننے پر مجبور ہوئے تھے تو کوئی بتائے کہ یہ خلافت کس نوع کی خلافت تھی جسے حضرت علیؓ نے قبول فرما رکھا تھا ۔ اگر ہماری تاریخ ہمیں یہی بتاتی ہے کہ حضرت علیؓ اپنے ساتھیوں اپنے مبلغین اور اپنے اساتین سلطنت کے طرزِ عمل سے ہمیشہ شاکی اور پریشان ہی رہے ۔ ذرا اندازہ فرمائیے کہ وہ کس درجہ دکھی ہیں :

"میں تمہیں چیخ چیخ کر پکار رہا ہوں اور ایک مدد طلب کرنے والے آدمی کی طرح گھبرا کر تم کو اپنی مدد کے لیے آواز دیتا ہوں ۔ لیکن تم میری کوئی بات نہیں سنتے ہو نہ کسی حکم کی اطاعت نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام کام مجھے بُرے انجام تک پہنچا دیتے ہیں ۔ تم ایک ایسی قوم ہو تمہارے ذریعہ کسی کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا ۔ تمہارے بھروسے خیموں کی رسیاں نہیں توڑی جاسکتیں پچاس راتوں سے زیادہ گزر چکی ہیں ۔ میں تمہیں پکار رہا ہوں لیکن تم اونٹ کی طرح منہ کھول کر زمین پر پھیل رہے ہو ۔ اگر تم میں سے کچھ لوگ میری حمایت کے لیے نکل بھی آتے ہیں تو ان کی صورتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے ۔ تم پر افسوس ہے"[2]

مزید فرماتے ہیں :

"اے میری وہ جماعت ! جسے میں جب بھی حکم دوں تو وہ اطاعت نہ کرے اور جب بھی پکاروں تو وہ میری بات کا جواب نہ دے ۔ للہ کچھ تو بتاؤ کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ کیا دین بھی تمہیں جمع نہیں کر سکتا ؟ کیا حمیت بھی تمہیں ابھار نہیں سکتی ؟ حالانکہ تم یہ سن رہے ہو کہ تمہارا دشمن تمہارے شہروں میں گھس آیا ہے اور اس نے تمہارے بھائیوں پر غارت گری شروع کر دی ہے ۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ معاویہؓ ظالموں اور سرکشوں کو دعوت دیتا ہے اور

---

[1] طبری

[2] طبری جلد سوم حصہ دوم باب ۱۸

پھر یہ ظالم اور سرکش لوگ بغیر کسی بخشش اور بغیر کسی مالی امداد کے اس کی اتباع کرتے ہیں اور وہ سال میں جتنی بار بلائے وہ اس کی آواز پر نکل آتے ہیں مگر ایک تم ہو کہ میں تمہیں مدد کے لیے پکارتا ہوں ..... لیکن تم میری آواز سن کر میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہو۔ میری نافرمانی کرتے ہو اور مجھ سے اختلاف کرتے ہو۔[1]

اور حدیہ ہے کہ مصر سے محمد بن ابی بکر کی درخواستِ امداد پر جب حضرت علیؓ نے ایک دل ہلا دینے والا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے انہیں پر زور لفظوں میں کہا کہ:۔

لوگو! محمد بن ابی بکر اور تمہارے مصری بھائیوں کی چیخوں کی آوازیں آرہی ہیں۔ ابن النابغہ (عمروؓ بن العاص) ان پر چڑھائی کر کے نکلا ہے۔ وہ ابن النابغہ جو اللہ کا دشمن ہے اور اس شخص (معاویہؓ) کا دوست ہے جو اللہ سے عداوت رکھتا ہے ..... پس تم فوراً جرعہ پہنچو جو حیرہ اور کوفہ کے درمیان ہے ..... چنانچہ اگلی صبح سے زوالِ آفتاب کے بعد تک اپنے شیعوں کا انتظار کرتے رہے (کہ اب نکلتے ہیں اب نکلتے ہیں) لیکن ان میں سے ایک شخص بھی آپ تک نہ پہنچا۔ حالانکہ علیؓ کے لشکر میں صرف کوفی فوجی ہی ترسیٹھ ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔[2]

اور ٹھیک ٹھیک یہی واقعہ یہاں بھی گزرا ہے جیسا کہ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ:۔

"شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاصؓ کو معین کیا اور عراقیوں کی طرف سے اشعثؓ نے کہا ہم ابو موسیٰؓ کو حکم بنانے پر راضی ہیں۔ علیؓ نے فرمایا دیکھو! تم نے پہلی بات (یعنی جنگ بندی) میں تو میری نافرمانی کی ہی تھی۔ اب حکم مقرر کرتے وقت میری نافرمانی نہ کرو۔ میں ابو موسیٰ کو ہرگز حکم مقرر نہیں کروں گا۔ اس پر کئی آدمی بول اٹھے کہ ہمیں ابو موسیٰؓ کے علاوہ اور کوئی منظور نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے جواباً فرمایا ہم ابن عباسؓ کو قبول نہیں کرتے۔ وہ تمہارا رشتہ دار ہے اس کا حکم بنانا تو ایسا ہے جیسے خود آپ ہی حکم بن جائیں۔ علیؓ فرمانے لگے اچھا میں اشتر کو متعین کرتا ہوں۔ لیکن اشعث نے یہ بات ماننے سے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ کیا اشتر کے علاوہ یہاں کوئی

---

[1] طبری جلد سوم باب

[2] ایضاً

آدمی موجود نہیں ؟ .... مزید کہا کہ اشتر کا ارادہ تو یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹتے رہیں یہاں تک کہ اے علیؓ! تیرا اور اشتر کا ارادہ پورا ہو جائے۔ علیؓ کہنے لگے کیا تم لوگ، ابو موسیٰؓ کے سجز کسی دوسرے پر راضی نہیں ہو۔ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا اچھا تمہاری مرضی" ؎۱

اپنے لشکریوں کی کچھ ایسی ہی باتوں سے تنگ آکر حضرت علیؓ اس درجہ دل برداشتہ تھے کہ ایک بار انہوں نے حضرت ابن عباسؓ کے نام ایک خط میں یہاں تک اپنی مایوسی کا اظہار فرمایا کہ:۔

"میری تو دعا ہے کہ اللہ مجھے ان لوگوں سے کسی طرح چھٹکارہ دیدے۔ اللہ کی قسم اگر شہادت کی تمنا نہ ہوتی تو ان لوگوں میں ایک دن بھی بسر کرنا پسند نہ کرتا" ؎۲

تو ایسے حالات میں جب امیر تو حضرت علیؓ ہوں مگر حکم اشعث کا چلتا ہو تو نتیجہ ظاہر ہے کہ ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم　　سیہدیہم طریق الھالکینا

کوا جب کسی قوم کا رہنما ہو گا تو وہ اسے ہلاکت کی طرف ہی لے جائیگا۔

مگر یہ بات بہرحال عجیب ہی ہے کہ امیر اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں اس درجہ بے دست و پا ہیں کہ اپنی خواہش اپنی تمنا اور اپنی مرضی کے بالکل خلاف حضرت ابو موسیٰؓ کو حکم تسلیم کر لیتے ہیں اور جس شخص کی نیت، جس کی دیانت اور جس کی وکالت پر انہیں سر مُو اعتماد نہیں ہے جس کو وہ ثقہ تک نہیں مانتے اپنے مستقبل کی نقشہ کشی اس شخص کے فکر و نظر کے سپرد فرما دیتے ہیں اور وہ اس پر بھی امیر کے امیر ہی ہیں۔ آخر اس روایت کی صحت پر یقین رکھ کر کسی کو علیؓ کی خلافت حقہ کی کیا خدمت منظور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے شیعان کے اندر اختلاف و انتشار روکنے کے لیے یہ مجبوری قبول کی، مگر گزارش یہ ہے کہ شیعان علیؓ کے اندر اتحاد اور اتفاق پہلے ہی کہاں تھا جسے اب وہ اپنی عافیت اور اپنے مستقبل کو خطرہ میں ڈال کر محفوظ کر لینا چاہتے تھے اور اگر ایسا ہی تھا تو پھر اسی اتفاق و اتحاد کے لیے انہوں نے حکمین کا فیصلہ قبول کیوں نہ فرما لیا اور فیصلہ کو سنتے ہی اسے فی الفور مسترد کیوں فرمایا۔ اگر ابو موسیٰؓ کو حکم بناتے وقت آپ کے سامنے انتشار کی مصیبت سے بچ کر نکل جانا تھا تو

؎۱ طبری جلد ۳ باب ۱۴

؎۲ طبری جلد ۳ حصہ دوم باب ۱

جب فیصلہ مسترد فرمایا اس وقت یہ انتشار کیوں پیش نظر نہ رکھا گیا اور مزید یہ کہ کیا فی الواقعی تحکیم کو قبول فرما کر ساتھیوں کو انتشار سے بچا سکے تھے۔ جبکہ خود نفس تحکیم پر ہی اختلاف و انتشار رونما تھا اور خوارج نے حضرت علیؓ سے علیحدگی ہی اس بنیاد پر اختیار کی تھی کہ آپ نے ثالثی یا تحکیم کو قبول کر کے قرآن کے خلاف قدم اٹھایا ہے۔

ضمناً ایک یہ بات بھی غور کے لائق ہے کہ یہ اپاہج غیر منطقی اور علیؓ کے فکر و نظر اور ان کی مومنانہ بصیرت سے یکسر غیر موافق تحکیم جسے روایت نے حضرت علیؓ کے دامن سے وابستہ کیا ہے۔ آپ نے کیا اس لیے قبول فرمائی تھی کہ اس سے انہیں کم از کم کوئی سیاسی مفاد ہی پیش نظر تھا جسے بالآخر انہوں نے حاصل کر لیا۔

حالانکہ اس اعتبار سے بھی انہوں نے اس تحکیم کو منظور فرما کر اپنے مستقبل کو جس درجہ عظیم ابتلا کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کی شدت خوارج کے ہولناک فتنہ سے صاف ظاہر ہے۔

یہی خوارج جو چند ہی روز قبل حضرت علیؓ کے پسینہ پر بے دریغ اپنا خون بہا رہے تھے اور جن کی تلواروں کی باڑھ نے اہل شام کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ اب اس درجہ ناراض ہوئے کہ اپنے امیر کی بیعت تک ترک کر دی اسے اسلام کا باغی اور قرآن کا منکر قرار دیا اور صرف یہی نہیں پھر انہوں نے حضرت علیؓ سے اتنی خوفناک جنگ بھی لڑی کہ اس کے نتیجہ میں جہاں وہ خود تاریخ کے ویرانوں میں دفن ہو گئے وہاں حضرت علیؓ کی خلافت اور امارت کی کوئی کل بھی سیدھی نہ رہ سکی اور جن باہمت قتشوں قاہرہ کے دباؤ سے حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کو بایں شوکت صولت بھی جھکنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ وہ دباؤ ایسا اٹھا کہ امیر معاویہؓ تو کیا جھکتے علیؓ کو ہی اپنے سب ارادوں سے دستبرداری دینی پڑی۔

آہ کوئی اپنے اس تعلق کو کن لفظوں میں ظاہر کرے کہ حضرت علیؓ کے نادان دوستوں نے اپنی فکری ناپختگی سے ایسی بھونڈی روایات تصنیف کر کے حق دوستی ادا کرنا چاہا ہے کہ یہ دوستی دوستی کی بجائے دشمنی بن گئی۔ غالبؔ نے کتنے پتے کی بات کہی کہ ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُسکا آسماں کیوں ہو

حیرت ہے کہ قیس بن سعد جیسے جانباز، جاں نثار اور فداکار ساتھیوں کی موجودگی میں جن

کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ وہ گو علیؓ سے زخم خوردہ تھے مگر علیؓ کے سوا کسی کو مانتے بھی نہیں علیؓ نے انہیں مصر کے تاج و تخت سے محروم کر دیا مگر وہ علیؓ پر ہی جان چھڑکنے کے لیے شام کے مصاف جنگ میں جا نکلے۔ وہ شخص علیؓ کی حمایت میں اس درجہ قشدد ہے کہ معاویہ کے مشفقانہ وعدوں، حسین تسلیوں، عزت افزائیوں اور مستقبل کی دل فریب نقشہ آرائیوں پر علیؓ کی سخت گیری اور ضرر رسانی کو ترجیح دیتا ہے۔ معاویہؓ کو ترک کرتا ہے اور علیؓ کو قبول کرتا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ علیؓ کی حمایت میں معاویہؓ کو ابلیس کا حمائتی اور شیطان کا ساتھی کہہ کر مخاطب کرتا ہے انہیں گمراہ اور گمراہ کا بیٹا، مکار، جھوٹا اور فریبی کہتا ہے[1] اور جس کی تلوار کی کاٹ سے معاویہؓ اس درجہ متاثر ہیں کہ مروان اور اسود بن ابی البختری کی غلط روی سے جب قیس مدینہ منورہ سے نکل کر علیؓ سے جا ملے تو معاویہ نے ان دونوں کو سخت ڈانٹ پلائی اور بہت ہی تیز و تند خط لکھا کہ:۔

"قیس کو مدینہ سے نکل جانے کی راہ ہموار کر کے تم نے میرے خلاف علیؓ کی زبردست مدد کی ہے۔ اگر تم ایک لاکھ آدمیوں پر مشتمل لشکر لے کر علیؓ کی امداد کو نکل آتے تو مجھے اتنا گراں نہ گزرتا جتنا گراں مجھے اکیلے قیس کا مدینہ سے نکل کر علیؓ کے ہاں پہنچ جانا ہوا ہے[2]

تعجب ہے کہ ایسے لوگوں ایسے وفادار ساتھیوں اور ایسے جاں نثاروں کے ہوتے علیؓ اشعث جیسے شخص کے ہاتھوں اپنے آپ کو بے بس پاتے ہیں جس کی گفتگو میں بے باکی، گستاخی اور شوخی کی مقدار اس کی رگوں میں دوڑنے والے خون سے بھی کہیں زیادہ ہے اور جو اپنے امیر سے اس درجہ شوخ چشمی سے بات کرتا ہے کہ کوئی آمر اپنے مامور سے کیا کرے گا اور جس کے تیور کہتے ہیں کہ یہ آج بھی علیؓ کا نہیں ہے اور کل بھی نہیں اور پھر چند روز بعد وہ سچ مچ ہی علیؓ کا نہ رہا بلکہ خوارج میں شامل ہو گیا۔

اگر علیؓ نے یہ راہ اختیار کر کے کوئی سیاسی فائدہ ہی حاصل کر لیا ہوتا تو ہم سمجھتے کہ یہ سلطنت کی مصلحت تھی اور سہ

رموزِ مملکت خویش خسرواں داند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش!

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر

[2] ابن خلدون

مگر یہاں تو یہ بات بھی نہیں تھی۔

اس روایت کا کھوکھلا پن اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں نے معاہدہ تحریر کرتے وقت یہ عہد کیا تھا اور ان کے اس عہد میں فریقین کی طرف سے بہتیرے ہی دوسرے اکابر اور اہلِ ایمان شریک تھے کہ حکمین خواہ کچھ بھی فیصلہ کریں اور اس فیصلہ کا ردعمل خواہ کوئی بھی متوقع ہو مگر فیصلہ کے نتیجہ میں ان کی، ان کے اہل وعیال اور مال واملاک کی پوری طرح حفاظت کی جائے گی اور انہیں کسی بھی مرحلہ پر کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ فیصلہ کے نتیجہ میں ایسا نہیں ہوا۔ اس تحفظ کے معاہدے کا کوئی احترام نہیں کیا گیا جس میں فریقین کے تقریباً وہ سارے ہی قابلِ ذکر اکابر شریک تھے جن کی دیانت، جن کے تقوے اور جن کی قوتِ ایمان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے جن کو بدعہد یا عہد شکن قرار دینا جن پر نقضِ عہد کا الزام رکھنا بدترین تہمت کے ذیل میں آتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ کو خود ان کے ساتھیوں نے سخت ملامت کی۔ عمروؓ کو کوڑے مارے گئے اور ایک روایت کے بموجب ان پر تلوار سے حملہ کیا گیا اور طبری کی جس روایت میں مذکور ہے کہ شریح نے عمروؓ پر کوڑے برسائے۔ اس میں حضرت شریح کے اس قلق کو بھی خاص طور پر محفوظ کیا گیا ہے کہ پھر انہیں ساری عمر یہ افسوس رہا کہ میں نے عمروؓ کو کوڑے کیوں مارے۔ تلوار کے وار سے اس کا کام تمام کیوں نہ کیا۔ خواہ اس کا نتیجہ کچھ بھی ہوتا۔

سوال یہ ہے کہ آخر یہ کس قسم کے معاہدے ہیں جن کو باندھنے والے اپنے قول وقرار کا پاس نہیں کرتے۔ اپنے عہد وپیمان کا احترام ملحوظ نہیں رکھتے اور یہ کیسے لوگ ہیں جو اس نقضِ عہد اور وعدہ شکنی پر بھی قوموں کے امام ہی ہیں اور ان کا تذکرہ تاریخ کے صفحات کو پاکیزگی ہی بخشتا ہے۔

پھر یہیں پر بات نہیں ٹوٹتی، حامیانِ علیؓ آپس میں ہی گتھم گتھا ہیں۔ ایک دوسرے پر حملے کرتے نظر آتے ہیں۔ گالی گلوچ کی زبان میں دادِ سخن دے رہے ہیں۔ یہ لوگ صلح کے پیامبر بن کر آئے تھے مگر فساد کے علمبردار بن کر جا رہے ہیں۔

اور پھر اس المیہ کی انتہا یہ ہے کہ جب یہ قصہ حضرت علیؓ کے سامنے آیا تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور نہ صرف اسی فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا جس کو ماننے کا حلف اٹھا چکے تھے بلکہ

ازدیادرنج سے لعنت لعنت پکارتے اٹھے کہ:۔

اللّٰھُمَّ الْعَنْ معاویۃ وعمرو وحبیبا وعبد الرحمٰن بن مخلد و الضحاک بن قیس والولید وابا الاعور [1]

اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے نسبت جس نے بھی یہ سنا اس نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کسی کو یقین نہ آسکا کہ علیؓ کے ساتھ اس اخلاق باختگی کو ذرہ برابر بھی نسبت ہے اور یہ بات صحیح بھی ہے۔ علی کبھی اس تسفل میں نہیں گر سکتے تھے جس نے ان کی نسبت ایسا کہا جھوٹ کہا ہے اور جس نے ایسا لکھا ہے افترا کیا ہے۔

ابن کثیرؒ نے بڑے ہی زوردار لفظوں میں اس روایت کی صحت کا انکار کیا ہے۔ ابن خلدون کی تحقیق یہ ہے کہ درحقیقت نہ علیؓ نے معاویہؓ پر لعنت کی ہے، نہ معاویہؓ نے علیؓ پر۔ اور یہ سب کچھ یار لوگوں کی ہی حاشیہ آرائی ہے [2]

علامہ نصر نے اس روایت کے غلط ہونے کی یہ دلیل دی ہے کہ یہ علیؓ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ عورتوں کی طرح اپنے حریف کو کوسنے دینے لگیں۔

سبحان اللہ اگر ایسی روایات کے ہجوم کے باوجود حضرت علیؓ کی نسبت یہ بدگمانی ناروا ہے کہ وہ ایسی متبذل حرکت کے مرتکب ہوں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ کاتب وحی حضرت معاویہؓ اور حضورؐ کے محبوب صحابی حضرت عمروؓ کو اس ترازو میں تولنے سے انکار کر دیا جائے اور ان کا معاملہ سامنے آتے ہی گروہی تعصب اور سیاسی ضرورتیں نیچے جھاڑ کر لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ کیا کوئی شخص حضرت علیؓ کے ساتھی اور زبردست حامی اشعث کی اس لغو بیانی کی حمایت کرے گا جو اس نے حضرت علیؓ سے رُو در رُو کی کہ تم ہمیں فریب دیتے ہو تم نے اشتر کو لڑائی جاری رکھنے کا حکم خود دے رکھا ہے۔ حالانکہ تم ہمارے سامنے اسے لڑنے سے منع کرتے ہو [3]

آخر صحابۂ رسولؐ کی نسبت بات کرتے۔ ان کی دیانت امانت ان کے اخلاق و ایمان کا کوئی معقول

---

[1] ابن خلدون جلد اول

[2] ایضاً

[3] طبری، ابن کثیر، ابن اثیر، ابن خلدون وغیرہ

معیار بھی یہاں موجود ہے یا نہیں ؛ جس پر انہیں تولا جا سکے اور جس کے ذریعہ ان کے مقام کا تحفظ کیا جا سکے یا ہر کسی کو اسی بھیڑ چال کے سانچے ڈھالا جائے گا اور سب کی آبرو واقدی اور ابو مخنف کے سپرد ہی کر دی جائے گی۔

نبی کریم کے صحابہ کے بارے میں تو ہمارے اسلاف اس درجہ محتاط روش روا رکھنے کے عادی ہیں کہ حزم و احتیاط کی بلندیاں وہاں پہنچ کر ختم ہوتی ہیں حضرت علیؓ کی نسبت صحیحین کی وہ مشہور روایت سب کے سامنے ہے جہاں حضرت علیؓ کا ابوجہل کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لینے کا مذکور ہے۔ یہ قصہ اتنا عام ہوا کہ فاطمۃ الزہراؓ شدتِ غم سے بے تاب ہو کر علیؓ کی شکایت لے کر دربارِ رسالت میں پہنچیں۔ حضور نے حضرت علیؓ پر کبیدگی کا اظہار فرمایا اور وہ مشہور جملہ زبان پر لائے الفاطمة بضعة منی .... اذٰنی من اذٰھا کہ فاطمہ مرے جگر کا ٹکڑہ ہے جو امر اسے رنجیدہ کرتا ہے وہ امر مجھے بھی رنجیدہ کرتا ہے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرماتے ہیں کہ :

"اعمش اس روایت کو اکثر بیان کیا کرتا تھا کہ حضرت امیر سے خطبہ بنت بوجہل کا وقوع میں آیا اور آنجناب نے اس پر عتاب فرمایا۔ ابو حنیفہؒ اس سے کہا کرتے تھے کہ ہر چند یہ قصہ صحیح ہے لیکن تیرے لیے یہ بات کب زیبا ہے کہ اس قصہ کو بے ادبانہ لوگوں کے سامنے — روایت کرتا پھرے۔ کوئی دینی مسئلہ اس قصہ پر موقوف نہیں ہے (ایک روز) شریک بن عبداللہ ابن شبرمہ اور ابن لیلیٰ سب مل کر اور ابو حنیفہؒ سے متفق الرائے ہو کر اعمش کے گھر گئے اور اس کو اس قصہ کی روایت پر ملامت کی" [1]

اللہ اکبر! ایک طرف یہ احتیاط اور دوسری جانب یہ بے احتیاطی اور بے اعتدالی کہ

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ایک یہ بات بھی عجیب تر ہے کہ حضرت علی نے اس روایت سے بقول عدالت کو متاثر کرنے کی سعی بھی فرمائی اور راوی یہ بالکل نہیں سمجھ سکا کہ اس میں علیؓ کے لیے کوئی بھلائی کا سامان نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ کے کردار کے اس پہلو کی رونمائی سے الشان کے منصب کا استخفاف ہو رہا ہے۔ حضرت ابو داؤد سے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ۱۲ فصل دوم صفحہ ۵۵۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ آرام باغ کراچی

اور حضرت عمرو بن العاص دونوں کو یہ فرض سونپا گیا تھا کہ وہ قرآن کریم کی روشنی میں علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان چلنے والے قضیہ کا فیصلہ کریں اور اس اعتبار سے صرف انہی دو کو ہی یہ حق تھا کہ وہ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے صوابدید کے مطابق مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ لیکن فریقین قضیہ میں سے دونوں کا یا کسی ایک کا حکمین پر کسی قسم کا دباؤ ڈال کر یا کسی بھی دوسرے طریقے سے اپنے حق میں ہموار کرنا یا ہموار کرنے کی کوشش کرنا بے انصافی کی انتہا ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ روایت کے بموجب حضرت علیؓ شریح بن ہانی کی معرفت عمروؓ کو ایک خفیہ پیغام بھیج کر اپنے حق میں ہموار کرنے کے لیے ساعی نظر آتے ہیں۔ حضرت علیؓ پیغام بھیجتے ہیں کہ:۔

"دیکھو عمرو! یہ فیصلہ کرتے خدا کے خوف کو ہاتھ سے نہ دینا۔ راستی اختیار کرو کیونکہ تم نے ایک روز خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔" [1]

ظاہر ہے کہ خدا کا خوف جو حضرت علیؓ ایک جج اور قاضی کو یاد دلا رہے ہیں تو اس کے معنی واضح طور پر یہی ہو سکتے ہیں کہ حق میری طرف ہے ورنہ خدا کا خوف دلانے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ اس خوف کو سامنے رکھنا تو ججوں کا اپنا ہی فرض تھا۔

اب یہ جدا بات ہے کہ عمروؓ نے حضرت علیؓ کا اثر قبول نہیں کیا اور انہوں نے اسی خوفِ خدا پر قناعت کی جو بطور ایک صالح مسلمان کے پہلے ہی ان کے دل میں موجود تھا اور بقول ابن خلدون:۔

"عمرو یہ پیغام سن کر غصہ سے سرخ ہو گئے اور بولے تمہیں مجھے مشورہ دینے کا کیا حق ہے شریح نے پھر کہا کہ تم آخر امیر المومنینؓ کی نصیحت کیوں نہیں مان لیتے مگر عمروؓ نے اس کا بھی تلخ و تند جواب ہی دیا۔"

طبری راوی ہے کہ:۔

"حضرت علیؓ کا یہ پیغام سُن کر عمرو کا رنگ تبدیل ہو گیا اور کہنے لگا میں کیا کروں۔ علیؓ کا مشورہ قبول کروں یا یہ کام پورا کروں مگر بالآخر عمروؓ نے بات یہیں ختم کر دی۔"

کتنی صاف بات ہے کہ خود عمروؓ نے بھی حضرت علیؓ کے پیغام سے یہی تاثر لیا کہ وہ اپنے حق میں فیصلے پر زور دے رہے ہیں ورنہ وہ یہ نہ کہتے کہ میں علیؓ کا مشورہ مانوں یا یہ کام یعنی عدالت کی ذمہ داریوں

---

[1] ابن خلدون

کو پورا کروں۔

مگر عمرؓ کا ردعمل خواہ کچھ ہو سوال تو یہ ہے کہ کیا حضرت علیؓ عدالتی اخلاق اور اس کی ذمہ داریوں سے بے خبر تھے؟ یقیناً ایسا نہیں تھا کیونکہ وہ خود ایک اونچے درجہ کے قاضی تھے۔ انہوں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانوں میں فصل قضایا کے زیر عنوان مثالی کارنامے سرانجام دیے ہیں اور اب بھی ان کی حیثیت ایک عامی کی نہیں تھی بلکہ ان کی ذمہ داریاں پہلے سے بھی سواتر ہو چکی تھیں ایسے میں انہوں نے یہ کیوں کر پسند فرمایا کہ اپنے مقدمہ میں عدالتی بنچ کے ایک رکن کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لیے حکمت عملی سے کام لیں اور اپنے مقام کی عظمت اور اپنے عظیم منصب کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے عام مفاد پرستوں کی سطح پر اتر آئیں۔ آخر وہ امیر المومنین تھے، خلیفۂ رسولؐ تھے، ایک بلند مرتبہ راعی تھے، ایک قوم کے رہنما اور ایک ملت کے امام تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی سنت اور جن کی راہ خود رسولؐ کی سنت اور رسولؐ کی راہ قرار دی جا چکی تھی اور حضور علیہ السلام نے جہاں سنتی کا لفظ فرما کر اپنی راہ پر چلنے کی تاکید فرمائی تھی وہاں ساتھ ہی سنتِ خلفائی کا ارشاد گرامی بھی موجود تھا اور علیؓ لامحالہ حضورؐ کے ارشد خلیفہ تھے پھر وہ ان عام دنیا دار مفاد پرستوں کے ہم پلہ کیونکر ہو سکتے تھے جو اپنے مفاد کے لیے رشوت کی منزل سے ادہر رکتے ہی نہیں۔

آخر حضرت علیؓ نے ایک جج کی آزادی فکر پر پہرے کیوں بٹھانے چاہے ہیں اور اس کے طائرِ فکر کو ترغیب یا ترہیب کے جال میں کیوں الجھا دینا چاہا ہے۔ آخر روایت کا یہ پہلو کس درجہ لائق فکر و ابتہاج ہے جو حضرت علیؓ کو بے انصاف ظاہر کرنے پر بضد ہے۔

تو پھر کیا کسی واقدی کسی ابومخنف کسی سدّی اور کسی الکلبی کے کہے علیؓ کو ان تمام معائب و مکائد سے متصف سمجھ لیا جائے گا؟۔

اچھا صاحب! روایت کی پیشانی داغدار نہ ہو آپ اپنا شوق پورا کر لیجئے علیؓ کا کیا ہے۔ اگر عثمانؓ کو جرم بے گناہی میں شہید کیا جا سکتا ہے۔ اس کے سینہ اور پہلو کو برچھی کی انی سے چھیدا جا سکتا ہے۔ اس کی پسلیوں کو لگاتار ضربات پاسے توڑا پھوڑا جا سکتا ہے۔ اس کے جنازہ پر پتھر برسائے جا سکتے ہیں اور اسے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا جا سکتا ہے تو کیا علیؓ کو متہم بالمکائد بھی نہیں کیا جا سکتا؟ آہ

ع۔ وائے گر درپسِ امروز بود فردائے۔

اور پھر یہ عمروؓ جسے علیؓ آج یوں ہموار کر رہے ہیں وہی شخص تو ہیں جنہوں نے ابھی کل ہی مجلس معاہدہ میں علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین نہیں لکھنے دیا تھا۔ عمروؓ کے اعتراض پر خود علیؓ بھی بے حد برہم تھے اور انہوں نے انتہائی سختی کے ساتھ یہ لفظ واپس لینے سے انکار کر دیا اور احنف نے تو یہاں تک کہا کہ امیر المومنین آپ یہ لفظ کاٹنے پر ہرگز راضی نہ ہوں کیوں کہ اگر یہ لفظ آج کٹ گیا تو اللہ کی قسم یہ پھر کبھی واپس لوٹ کر آپ کی طرف نہ آسکے گا مگر عمروؓ بضد تھے کہ یہ لفظ ضرور کٹے گا کیونکہ علیؓ تمہارے امیر ہوں گے۔ ہم ان کو امیر نہیں مانتے۔ ہم تو یہ معاہدہ صرف علیؓ ابن ابی طالب سے کر رہے ہیں۔ ہم کسی امیر المومنین سے بات نہیں کر رہے۔ آخر مستقبل کے خارجی اور حال کے سرخیل شیعان علیؓ جناب اشعث نے مداخلت کی اور کاتب کو حکم دیا کہ یہ لفظ کاٹ دو۔ پھر اشعث کا کہنا پورا ہوا احنف بھی چپ رہ گیا اور پھر علی بھی کچھ نہ بولے۔

بعد میں حضرت علیؓ نے اگرچہ اس صورت حال کو صلح حدیبیہ کے واقعات کے مماثل قرار دیا مگر اس وقت انہیں اس صورت واقعہ سے آنا رنج پہنچا تھا کہ آپ نے عمروؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

"تو ہمیشہ فاسقین کا دوست اور مومنین کا دشمن رہا ہے"

عمروؓ نے جواباً کہا کہ:۔

"خدا کرے آج کے بعد اے علیؓ تمہاری صورت تک نہ دیکھوں"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:۔

"ہاں خدا کرے میری مجلس آئندہ تجھ سے اور تجھ جیسے لوگوں سے ہمیشہ پاک رہے" [1]

مگر اس روایت کی روشنی میں علیؓ کو ابھی تک یہ امید ہے کہ وہ جس عمروؓ کو بالمشافہ گفتگو میں رام نہیں کر سکے اسے ایک خفیہ پیغام کے ذریعہ ہموار کر لیں گے۔

آہ کتنا بے تدبیر بتایا ہے امیر المومنین علی کو اس جھوٹی روایت نے مگر جب یہ روایت طبری اور ابن اثیر تک میں آچکی ہے تو اب یہ خلاف واقعہ اور غلط کیوں ہوگی جب کہ بقول اکبر الہ آبادی:۔

ع پانیر کہتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے۔

پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ یہاں کیا سب کے سب بے انصاف، متعصب، بے عقل، بے تدبیر اور بزدل لوگ ہی جمع ہو رہے تھے کہ ان آٹھ صد مسلمانوں میں سے کچھ دو چار دس مسلمانوں کو

---

[1] ابن خلدون

بھی پاسِ حق نہ تھا بلکہ وہ سب ہی عصبیتِ جاہلیہ کے اثر سے بہرحال اپنے اپنے فریق کی حمایت پر ہی بضد تھے۔ خواہ ان کے اپنے علم اور ایمان کا فیصلہ ان کے طرزِ عمل اور ان کی فکر کے خلاف ہو۔

بڑا ہی دردناک منظر ہے اور ان اہلِ ایمان کے ایمان کا یہ انجام بڑا ہی افسوس ناک ہے کہ جب عمروؓ بھری مجلس میں سب کے سامنے قرارداد سے مُکر گئے تو ان پندرہ بیس آدمیوں میں سے جو محدود مجلس فیصلہ میں شریک تھے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ حمایتِ حق میں آگے بڑھتا اور برملا گواہی دیتا کہ لوگو! اب جب حکمین نے اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا بلکہ وہ خود اختلاف اور انتشار کا شکار ہو گئے ہیں تو آؤ ہم پھر کسی متبادل تجویز پر غور کریں۔

کیا معاویہؓ کے فریق میں چارصد آدمیوں پر مشتمل عظیم گروہ کے کسی ایک کے سینہ میں بھی شمعِ ایمان روشن نہیں تھی کہ وہ عمروؓ کو ٹوک سکتا اور اس کے مُکر جانے کا اقرار کرتا۔

علیؓ کے گروہ میں اگر اشعث، شبیث اور اشتر جیسے لوگوں کو سوءِ نیت کے بطور گواہ کیا جا سکتا ہے تو کیا معاویہؓ کے گروہ میں شامل سب لوگ ان اصحابِ ثلاثہ سے بھی گئے گزرے ہوں گے کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی ایسی رعایت نہیں دی جا سکتی۔

آہ! اس بے انصاف دنیا نے یہ دستور کیوں اپنا لیا ہے کہ اپنے حق میں جھوٹ تصنیف کرو پھر اس جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے مزید اتنا جھوٹ بولو کہ جھوٹ بھی سچ نظر آنے لگے۔ چنانچہ ایک روایت حضرت علیؓ سے منسوب کی گئی ہے کہ انہوں نے صفین کے میدان میں فریقِ معاویہؓ کی طرف سے نیزوں پر بلند کیے گئے۔ قرآن مجید کے نسخوں کو دیکھ کر اپنے گروہ سے کہا کہ:

> انہوں نے وہ شئی نیزوں پر اٹھائی ہے جسے یہ کسی اور وقت ہاتھ بھی نہیں لگاتے اور یہ تک نہیں جانتے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔" [1]

حالانکہ کوئی بھی معقول آدمی یہ باور نہیں کرے گا کہ حضرت علیؓ کے منہ سے یہ الفاظ نکل سکتے ہوں کیونکہ انہیں معاویہؓ کے کاتبِ وحی ہونے کا بھی علم تھا اور شامیوں کی قرآن خوانی سے بھی آگاہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ معاویہؓ آج بھی اپنے گروہ کے امام ہیں اور دمشق کی جامع میں جمعہ کا خطبہ بھی دیتے

---

[1] طبری جلد سوم باب ۱۲۹۔ ابن خلدون جلد اول باب ۱۲۱

ہیں مگر اس سب کچھ پر تو وہ توجہ دے جسے حق کی تلاش ہو مگر یار لوگوں نے یہ بات بھی مان لی کہ ہاں علیؓ نے ایسا ضرور کہا تھا۔ حالانکہ نہ عقل اس کی حمایت کرتی ہے نہ درایت نہ علیؓ ایسے بے انصاف تھے نہ ان کے ساتھی ہی معاملات سے بے خبر تھے۔ اور معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں سے ناواقف تھے۔

اور یقیناً اس روایت کو صحیح ماننا علیؓ کی دیانت پر تہمت لگانے کے مترادف ہے مگر خیر عمروؓ کو بدنام اور معاویہؓ کو ذلیل کرنے اگر علیؓ کے دامن پر تہمت آتی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔

ہم دور نکل گئے گزارش یہ کی جا رہی تھی کہ اگر عمروؓ نے بدعہدی کی تو پھر کیا اس بدعہدی پر کسی گوشہ میں کوئی سنجیدہ اجتماع ہوا؟ کہیں دستاویزی قرارداد کی بات اچھلی؟ کسی بزرگ نے دستاویز سے استدلال اور استشہاد کیا؟ علیؓ کے گروہ میں سے کسی ایک نے بھی معاویہؓ کے گروہ میں موجود اہل الرائے مسلمانوں کو گفتگو کے اس موڑ پر ان کے حکم کی بے انصافی اور دھاندلی پر متوجہ کیا۔ کسی نے بھی فریق معاویہؓ کے جذبہ ایمان سے یہ اپیل کی کہ آخر یہ کیا اندھیر ہے کہ عمرو سب کے سامنے مکر رہے ہیں اور آپ لوگ چپ سادھے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

تاریخ کا آنا بڑا المیہ آٹھ سو مامورین صلح اور بے شمار دوسرے مسلمانوں کے سامنے گزرتا ہے اور یہ وہ المیہ ہے جس نے مسلمانوں کی تاریخ کا رُخ ہی بدل کر رکھ دیا مگر مجلس کے اندر اول صرف ابوموسیٰؓ ذرا سی شکایت کرتے ہیں اور پھر دو ایک آدمی باہم دگر نرم گرم باتیں کرتے ہیں اور بات ختم ہو جاتی ہے عمروؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے مرکز کی طرف لوٹ آتے ہیں اور علیؓ کا لشکر حیرت اور قلق کی تصویر بنے بکھر جاتا ہے کچھ کوفہ جا پہنچے ہیں کچھ باغی ہو جاتے ہیں اور ابوموسیٰؓ تیسری راہ اختیار کر لیتے ہیں اور اسلام اپنی جگہ دم بخود ہے کہ اب اس کا مستقبل کیا ہے۔ باقی رہا مجلس صلح کے آخر کی معمولی تھکا فضیحتی کو اس بات کی دلیل سمجھنا کہ یہ عمروؓ کی بدعہدی کا ردعمل تھا تو ممکن ہے یہ رائے بھی درست ہو مگر اس دست بگریبانی کی وجہ فریق علیؓ کا وہ رنج بھی ہو سکتا ہے جو انہیں اپنے امیر کی معزولی کے خلاف توقع فیصلہ سے عمروؓ کے ہاتھوں پہنچا اور ان کی شکست نے ان میں سے دو ایک آدمیوں کو بے قابو کر دیا اور وہ الجھ پڑے ورنہ اتنے بڑے واقعہ پر ایک ذرا سی چپقلش کو دلیل لانا دلیل کا کوئی اچھا استعمال نہیں ہے۔

ممکن ہے حضرت ابوموسیٰ کا یہ کہنا کہ عمرو! تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے اسی پس منظر میں ہو مگر اس کی

کیا دلیل ہے کہ دوسرے دو ایک الجھنے والوں کا بھی موقف یہی تھا جب کہ واقعات اس کی شہادت نہیں دیتے۔

اور پھر جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں خود مسعودی نے بھی جو ایک عظیم شیعہ مصنف ہے۔ یہ تسلیم کیا ہے کہ اس مجلس میں کوئی بات زبانی نہیں کی گئی تو اب ظاہر ہے کہ عمروؓ نے جو کچھ کہا ہے اگر وہ یہی کچھ ہے جو بیان کیا گیا ہے تو یہ تحریر کے مطابق ہی ہوگا اور اس کا علم ابو موسیٰ اور دوسرے اہل الرائے کو پہلے سے ہی ہوگا اور اگر عمرو سے منسوب یہ کہانی تحریر میں نہیں آچکی تھی اور انہوں نے یہ سب کچھ زبانی ہی کہا تھا تو مسعودی اس کا انکار کر چکا ہے۔ مسئلہ کے اس پہلو سے ایک یہ بات خصوصی توجہ طلب ہے کہ عمروؓ اور ابو موسیٰؓ حکم ضرور تھے مگر احکم الحاکمین نہیں تھے کہ سب لوگ ان کے سامنے مبہوت ہوں حکمین کا فیصلہ پہلے علیؓ اور معاویہؓ کے لیے تھا اور ان کے بعد ان کے حامی اس سے متاثر ہوئے تھے اور جن لوگوں نے اس سے قبل عین دوران جنگ حضرت علیؓ سے یہ بات منوالی تھی کہ وہ فریق معاویہؓ کی پیشکش کے مطابق قرآن کو حکم مان لیں اور وہ اپنی تمام تر ناراضی کے باوجود انکار پر قائم نہ رہ سکے تھے پھر جب یہ لوگ خلیفۂ رسول تک کو مؤثر تھے تو یہ حکمین کیا شے تھے کیا وہ سب ان کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتے۔

یہ لوگ وہی تو تھے جو کسی زمانہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ جیسے بزرگوں کو برسر منبر ٹوک دیا کرتے تھے اور اگر کبھی ذرا سی بھی غلط فہمی راہ پاتی تو جب تک ان کا ذہن صاف نہ ہو جاتا وہ چین سے نہ بیٹھتے تھے تو آج ان کی یہ صلاحیتیں کیوں کند ہو گئیں۔ ان کے جذبات کیوں سرد ہو گئے۔ ان کا ایمان کیوں وقف استراحت ہو چکا تھا کہ جس شجر اسلام کو انہوں نے اپنے خونِ رگِ جان کا پانی دے دے کر پالا پوسا تھا وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اختلاف و انتشار کی آندھیوں کی زد میں تھا مگر ان میں سے کوئی بے چین نہیں ہوتا۔ سب چپ سادھے ہیں۔ سب اسلام کی تباہی اور بربادی کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔

وہ جو عمروؓ جیسے باشوکت حکم کو تنکے کی طرح سیدھا کر دینے کا عزم رکھا کرتے تھے انہیں چاہیے تھا کہ وہ اسی مجلس میں از سر نو معاملہ پر غور کرتے مجلس مشاورت اور مجلس فیصلہ کے شرکاء وہاں موجود تھے۔ ان سے گواہی طلب کرتے۔ بدعہد کو بدعہد قرار دیتے اور سچے کو سچا کہتے۔ جھوٹے کو جھوٹا قرار دیتے اور پھر کسی متبادل تجویز پر غور کرتے اور اس وقت تک وہاں سے نہ ٹلتے جب تک اس قضیہ کا

اونٹ کسی کروٹ بیٹھ نہ جاتا وہ آخر صحابۂ رسول تھے۔ صحابہ کی اولاد تھے۔ ان کی کچھ ذمہ داریاں تھیں کچھ فرائض تھے مگر بڑا اندھیر ہے کہ انہوں نے کسی ایک بات پر بھی غور نہ کیا۔ قوم کو فساد کے اور اسلام کو موت کے منہ میں جھونک کر اس بے پرواہی سے رختِ سفر باندھ کر چل دیے جیسے یہ ناکام سفر اور نامراد واپسی بس کسی تفریحی سفر کا حصہ تھی جس کا تاریخِ اسلام اور مسلمانوں پر کوئی اثر مترتب نہیں ہوتا تھا۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اتنا غیر ذمہ دار قرار دینے والی روایت کو ختم نبوت کے بعد کسی اعتبار سے منزل من اللہ سمجھا جا سکتا ہے۔

پھر روایت کا کہنا ہے کہ حکمین کا فیصلہ سن کر حضرت علیؓ نے اسے مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ حکمین نے بدعہدی کی ہے مگر راوی سے اب کون پوچھے کہ حضرت علیؓ کس بنیاد پر اپنے مقرر کردہ حکم ابوموسیٰؓ کو بدعہد کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے علیؓ سے کون سا عہد کیا تھا جس کو انہوں نے توڑا جو علیؓ انہیں بدعہد کہتے ہیں مگر چھوڑیئے اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ آپ اس روایت کے کس کس مقام پر انگلی رکھیں گے:۔

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

دوام حدیث

اسی وقت ہو گی جب ان مقاصد کے خلاف ہو گی اور ان مقاصد کی وجہ سے مخالفت کا پتہ کرنا آسان ہے۔ خصوصاً جب محدثین کے ان مجموعوں کو بھی پیش نظر رکھا جائے جن کی صحت پر اہلِ فن کا اجماع ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دین ردوبدل سے محفوظ ہے۔ پس ایسی صورت میں حدیثوں کا یاد رکھنا کوئی مشکل نہیں۔

جناب احسانؔ دانشؔ

نعت

آئی پسند حق کو اطاعت حضورؐ کی
سجدہ حضورؐ کا ہے عبادت حضورؐ کی

نکلا ہوا ہے چاند سر دشت و کہسار
پھیلی ہوئی چادرِ رحمت حضورؐ کی

مجھ کو کہاں پسند عقائد کے پیچ و خم
ہموار راستہ ہے شریعت حضورؐ کی

مجھ جیسا بے بساط رسا ہے حضورؐ تک
لاتی ہے رنگ یوں بھی محبت حضورؐ کی

انسانیت کا مرکزِ اوّل ہے اُن کی ذات
خلّاق کا کمال ہے خلقت حضورؐ کی

ہے شبنمِ سحر میں ستاروں کی آب و تاب
پھولوں میں بٹ رہی ہے لطافت حضورؐ کی

خوشبو گلوں میں چاند ستاروں میں نور ہے
روشن ہے جب سے شمعِ رسالت حضورؐ کی

بحرِ کرم ہے تشنہ دہانِ مغفرت،
بیتابِ عاصیاں ہے شفاعت حضورؐ کی

جنّت سے آرہے تھے فرشتے پئے سلام
دُنیا میں ہو رہی تھی ولادت حضورؐ کی

حُسنِ تمام ان کا قوامِ نگار و نقش
صبحِ ازل ادائے صباحت حضورؐ کی

ہر اُسوۂ رسولؐ ہے اللہ کی رضا
قرآں ہے اک کتاب روایت حضورؐ کی

اس دینِ مصطفےؐ سے سیاست ہے کب جُدا
دُنیا سے ماوری ہے فراست حضورؐ کی

اس کے لیے نہیں کوئی دشوار راستہ
پیشِ نگاہ جس کے ہے سیرت حضورؐ کی

دُنیا میں والدین بڑی چیز ہیں مگر
اُن سے فزوں ہے مجھکو محبّت حضورؐ کی

زادِ سفر ہے امّتِ عاصی کے واسطے
غارِ حرا میں شب کو عبادت حضورؐ کی

محشر میں اژدہام تو ہوگا بہت مگر
رستہ دکھائے گی ہمیں نسبت حضورؐ کی

دانش ہوں میں علائق دنیا سے بے نیاز
باقی ہے دل میں صرف محبّت حضور کی